عابدہ پروین کی کہانی

عابدہ کا سنگیت

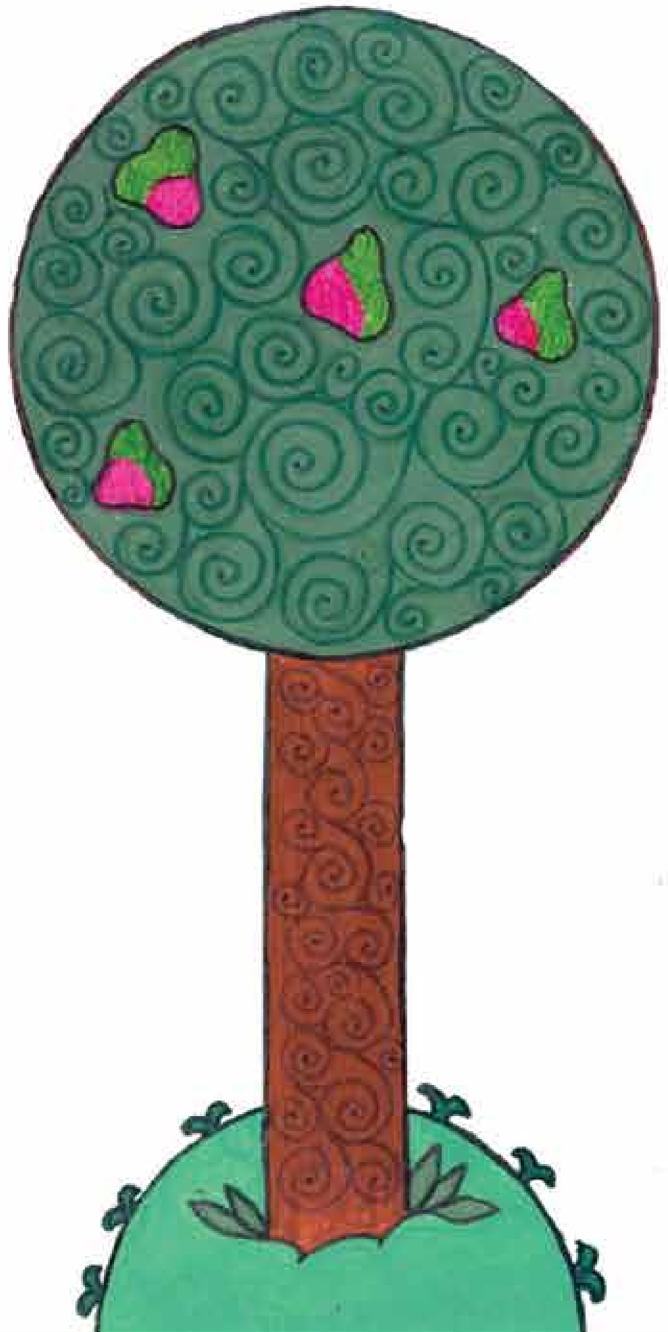

FORMAN CHRISTIAN COLLEGE
(A CHARTERED UNIVERSITY)

The University Of Sheffield.

تصنیف: حانیہ خان اور فصاحت اللہ

اس کتاب کی نقش نگاری شارون پطرس نے کی ہے

اس کتاب کی ڈیجیٹل ڈیزائننگ صوبیہ زیدی کی زیر نگرانی

ماہلہ حامد اور طلال خالد نے کی ہے

اس کتاب کی ایڈیٹر سعدیہ توصیف ہیں

دستبرداری: سوانحی خاکے پر مبنی اس کہانی میں بچوں کی دلچسپی کے لیے کچھ خیالی واقعات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

کتاب ہذا ''ہندوستان اور پاکستان کی خواتین میں بذریعہ سوانحی خاکوں، تعلیم وخواندگی کے بقا اور انھیں عطائے اختیار بخشنے کی جہد'' کے عنوان سے شروع کیے گئے منصوبے کے تحت ۲۰۲۱ میں شائع کی گئی ہے۔ یہ منصوبہ پروفیسر شیبان لیمبرٹ ہرلی (یونیورسٹی آف شیفیلڈ، یوکے) نے شروع کیا، جسے ڈاکٹر رخسانہ ضیاء اور ڈاکٹر نخبہ تاج لنگاہ (فارمن کرسچن کالج، یونیورسٹی لاہور، پاکستان)، پروفیسر کلیر چیمبرز (یونیورسٹی آف یارک)، ڈاکٹر نفیسہ علی (یونیورسٹی آف مین چیسٹر، یوکے)، اور شاہین عتیق الرحمٰن (بنیاد فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان) کے تعاون سے مکمل کیا گیا۔ اس کتاب کو صوبیہ زیدی، حیدر شہباز اور مسرت شاہد کی سرپرستی میں فارمن کرسچن کالج یونیورسٹی کے طلبا نے تخلیق کیا، جس میں بنیاد فاؤنڈیشن کی صائمہ فیاض نے حمایت کی۔ اس منصوبے کو یونائیٹڈ کنگڈم میں گلوبل چیلنجز ریسرچ فنڈ کی جانب سے فنڈ مہیا کیا گیا۔

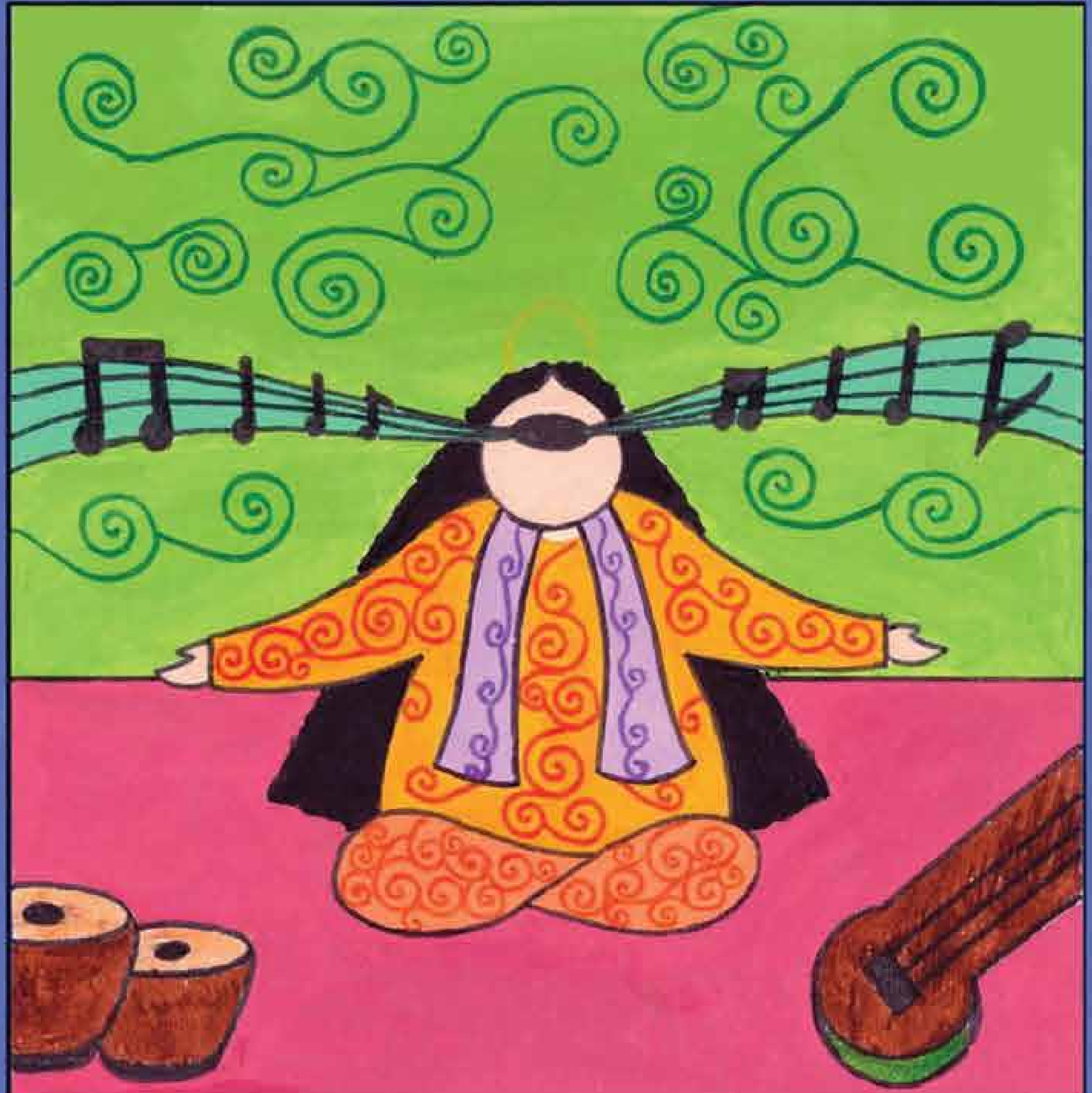

سریلے لفظوں کے ساتھ اس کے اپنے
بال بھی لہرا رہے تھے۔ اس کے گول
چہرے سے روشنی چھلک رہی تھی۔ جب
موسیقی کی تال کے مطابق اس نے میز
پر اپنے ہاتھوں سے تھاپ بنانا شروع کی
تو اس کا سر اور بھی زیادہ جھومنے لگا۔
ہر نیا مصرع سُن کر لوگ وجد میں
آ رہے تھے۔

عابدہ جی نے ان ایوانوں میں کئی مرتبہ فن کا
مظاہرہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود ہر دفعہ ایسا
لگتا کہ گویا یہ ان کی پہلی کارکردگی ہو۔ انھیں
موسیقی، صوفیائے کرام اور اپنے پیارے بابا سائیں
سے اس قدر محبت تھی کہ انھوں نے کبھی بھی دعا کیے
بغیر اسٹیج پر قدم نہیں رکھا تھا۔ آخر یہ ان کے اپنے
بابا سائیں ہی تھے جنھوں ''بیا'' کو اس کے بھائیوں
سے زیادہ اہمیت دی اور اسے وہ سب کچھ سیکھایا
جس سے وہ واقف تھی۔

یہ اکتوبر کا ایک گرم دن تھا۔ سورج پوری طرح روشن تھا۔ لاڑکانہ میں "بیا" اپنے گھر کے باغیچے میں بیٹھی امرود کے درخت کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ایک کمزور بیج کا توانا درخت میں تبدیل ہونا آگے بڑھنے کے لیے ایک سبق ہے۔

بابا سائیں نے اسے بتایا ہوا تھا کہ خدا کی بنائی ہوئی
اس وسیع و عریض کائنات میں ہر چیز ایک دوسرے
سے جڑی ہوئی ہے۔ ہر وجود کسی دوسرے وجود پر
انحصار کرتا ہے۔
امرود کا درخت بھی اس تعلق کی ایک علامت تھا۔

''بیا'' گھر کے عین درمیان میں موجود اس درخت
کی ٹھنڈی چھاؤں میں ہر روز اپنے بابا سائیں کی
رہنمائی میں ریاض کیا کرتی تھی۔ اسے عظیم رب کی
تعریف میں گنگنانا پسند تھا۔ وہ اپنے کلام میں صُوفیا
کو بھی خراج عقیدت پیش کرتی۔

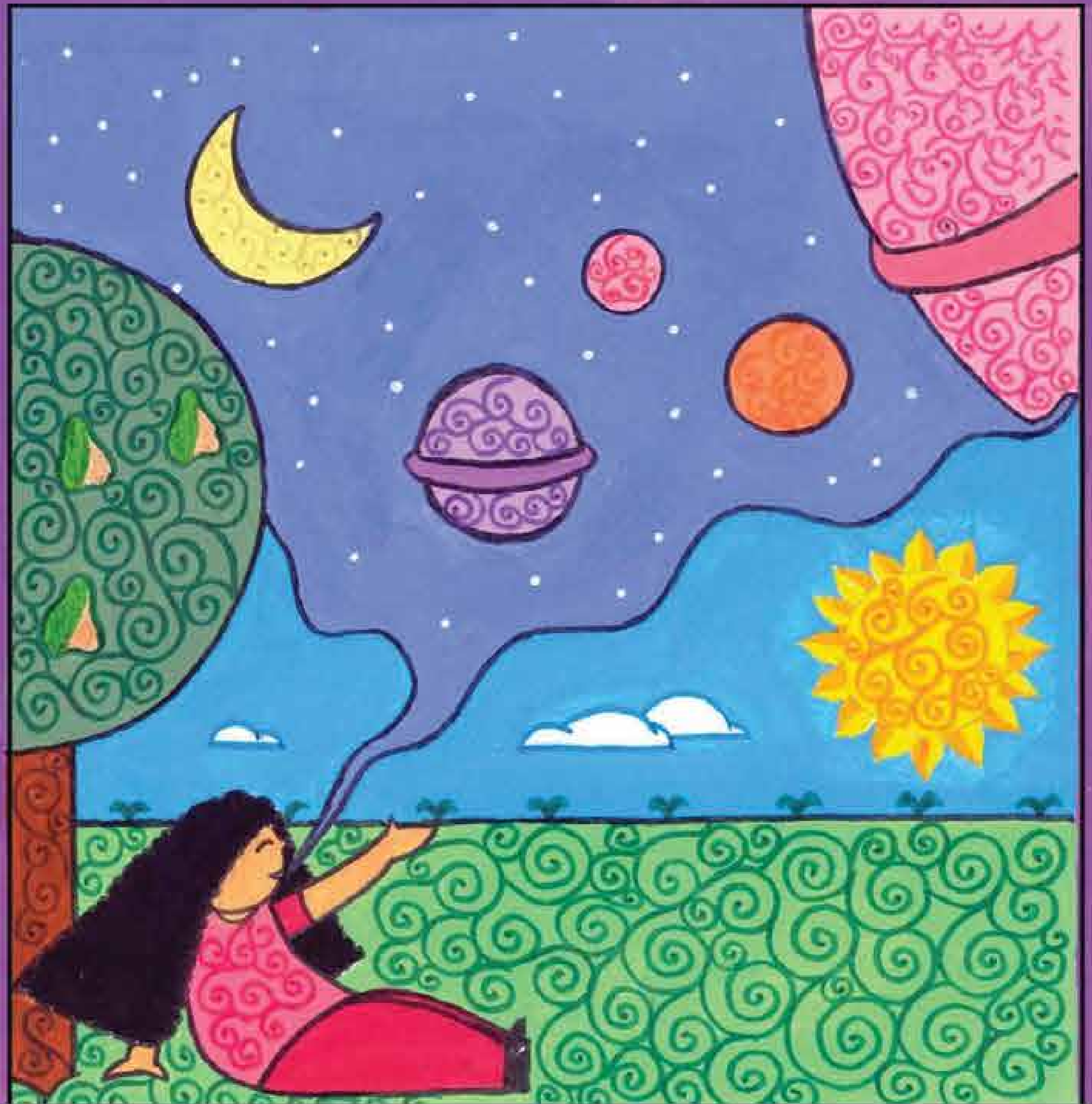

اسی کلام نے اسے اپنی اور اپنے لوگوں کی پہچان کرائی۔
''بیا'' کو دوسرے بچوں کے ساتھ گھلنے ملنے کا شوق نہ تھا۔
یہی وجہ تھی کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت بابا سائیں کے ساتھ
اسی درخت کے نیچے گزارتی۔

ایک دن بابا سائیں جلدی گھر لوٹے تو ”بیا“ اپنے
کمرے میں رو رہی تھی۔ ”اوہو“ کیا ہوا بیٹا جی؟“
ان کی آواز سے پریشانی ظاہر تھی۔ جماعت میں
کوئی بھی بچی میرے ساتھ نہیں کھیلتی ”بیا“ نے
ہچکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔

یہ سن کر بابا سائیں کے ماتھے کی لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔
اپنی بیٹی کو اس طرح پریشان دیکھ کر وہ اداس ہو گئے۔
انھوں نے بیا کے چپ ہونے کا انتظار کیا اور پھر اسے
گھر کی چھت پر لے گئے۔

’’میں جب بھی پریشان ہوتا ہوں تو یہاں آجاتا ہوں۔‘‘
بابا سائیں نے وضاحت کی۔
’’میں سورج کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ یہ بھی ہماری طرح خدا کی ایک تخلیق ہے۔ دراصل بیا ہم انسانوں اور سورج میں بہت کچھ ایک جیسا ہے۔ ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے میں وقت لگتا ہے لیکن جب ہم اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں تو بے حد خوشی ملتی ہے۔ ہم خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ دوسروں میں اپنی خوشی کا عکس دیکھتے ہیں۔ دوسرے لوگ چاند کی طرح ہوتے ہیں۔ شاید وہ ہماری روشنی کا کچھ حصہ لے سکتے ہیں لیکن ہمارے اصل اجالے کے مقابلے میں یہ نہایت معمولی ہوگا۔ ہماری زندگی میں ایسی راتیں تو آسکتی ہیں کہ جب چاند نہ چمکے لیکن سورج کی آب وتاب کبھی کم نہیں ہوتی۔‘‘

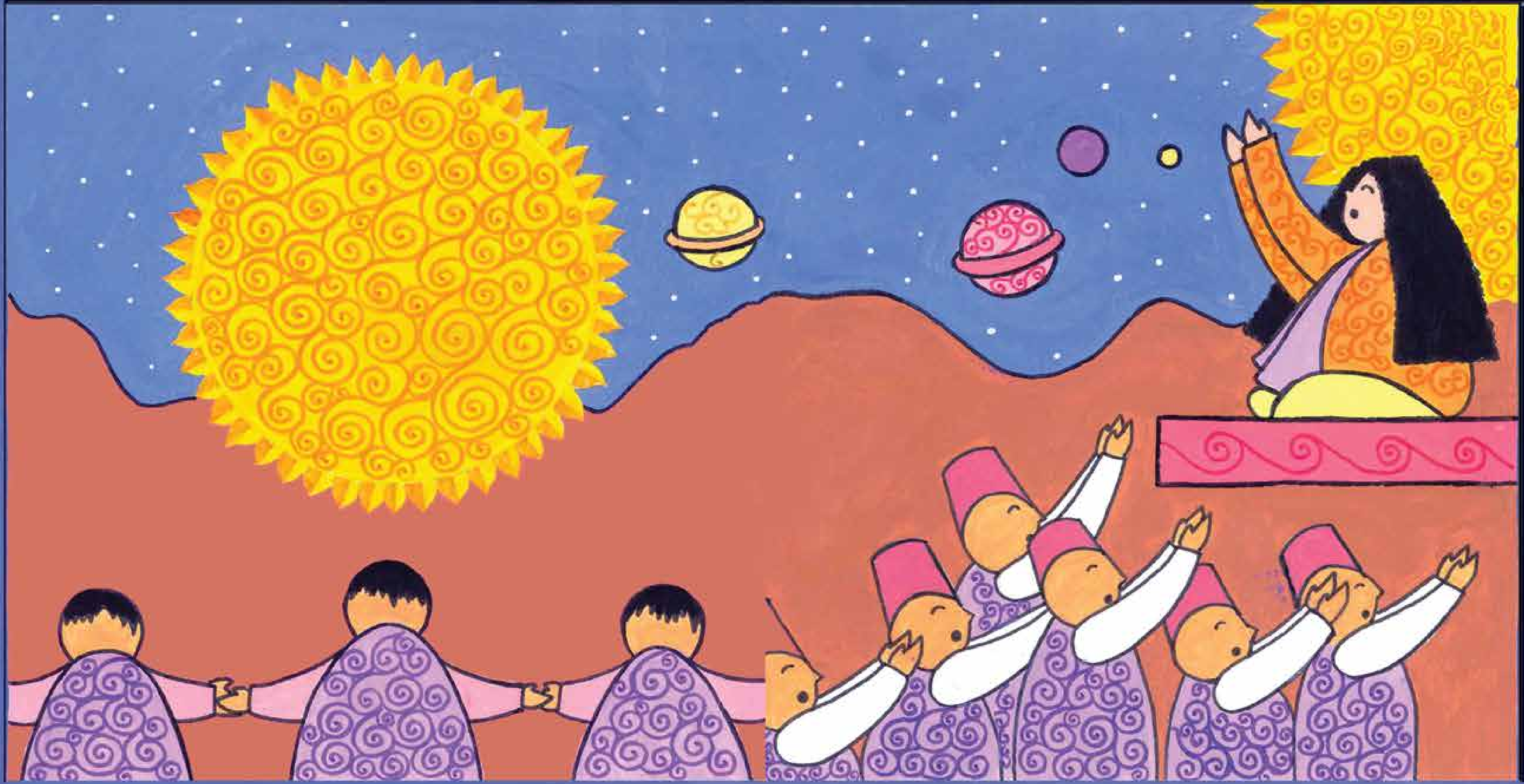

بابا سائیں کے یہ الفاظ ''بیا'' کو ہمیشہ یاد رہے۔ اب اس نے ان باتوں کی فکر چھوڑ دی جو اس کے بس میں نہ تھیں۔ ''بیا'' نے ان باتوں پر توجہ دینا شروع کر دی جنھیں وہ ناپسند کرتی تھی اور بدلنا چاہتی تھی۔ اسے اس بات کی پروا نہ تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے بلکہ وہ گھنٹوں گانے کی مشق کرتی۔

آج سالوں بعد ''بیا'' جب اسٹیج پر قدم رکھتی ہے تو
وہ اپنے اردگرد بیٹھے لوگوں کی ہر بات سے بے نیاز
ہوکر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اس نے اپنے
بابا سائیں کو ہمیشہ اپنے دل کے قریب رکھا ہے۔
آج وہ خود ایک سورج کی طرح چمک رہی ہے اور
اس کی کرنوں تلے ہزاروں مداح اس کے
گن گا رہے ہیں۔

اساتذہ اور والدین کے لیے ہدایات

عابدہ پروین کی کہانی دیہی سندھ سے تعلق رکھنے والی ایک سادہ دیہاتی لڑکی کی کایا پلٹنے کے متعلق ہے جو پاکستان میں صوفی ثقافت کی علامت میں تبدیل ہوگئی۔ اس کہانی میں صوفی موسیقی کو مردانہ نسب قرار دینے کے دقیانوسی پاکستانی تصور پر سوال اٹھائے گئے ہیں۔ عابدہ کی زندگی کی کہانی بیان کرنے کے ساتھ صوفی ثقافت کی اہمیت پر زور دینے کا چیلنج امرود کے درخت، کمل اور سورج کی منظر کشی کو روحانیت کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ اساتذہ/ والدین صوفی ثقافت کی اہمیت پر تبادلہ خیال کر کے بچوں کو کہانی کو بہتر طور پر سمجھانے کے اہل ہوں گے۔